”عنایت اللہ انصاری“

Anayetullah Ansari

Assistant Professor Department of URDU

RBGR Collage Maharajganj SIWAN Bihar

Contact No. 9031431678 / 6201471567

Email : anayetullahansari@rediffmail.com

“Munshi Preamchand Hayaat aur karname”

BA-Urdu (Composition) Part-1

”منشی پریم چند حیات اور کارنامے“

پریم چند اردو کا مشہور ناول نگار اور افسانہ نگار ہیں۔ ان کا اصلی نام دھنپت رائے ہے، لیکن ادبی دنیا میں پریم چند کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ 1880ء میں ضلع وارانسی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک ڈاک خانے میں کلرک تھے۔ پریم چند ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے تقریباً سات آٹھ برس فارسی پڑھنے کے بعد انگریزی تعلیم شروع کی۔ پندرہ سال کی عمر میں شادی ہوگئی۔ ایک سال بعد والد کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ پورے گھربار کا بوجھ پریم چند پر ہی پڑ گیا۔ فکر معاش نے زیادہ پریشان کیا تو لڑکوں کو بطور ٹیوٹر پڑھانے لگے اور میٹرک پاس کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں ملازم ہوگئے۔ اسی دوران میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔

یہ محض ایک اتفاق ہے کہ اردو افسانے کو ابتدائی دور میں ہی دو ایسے افسانہ نگار مل گئے جو ایک دوسرے سے قطعی مختلف مزاج رکھتے تھے۔ پریم چند ایک رجحان کی ترویج کر رہے تھے اور سجاد حیدر دوسرے نظریے کے علمبردار تھے۔ لیکن پریم چند کی مقصدیت سجاد حیدر یلدرم کی رومانیت پر بازی لے گئی۔ مقصدیت اور اصلاح کے پہلو نے پریم چند کے فن کو اتنا چمکا دیا کہ انہیں سجاد حیدر سے بہت زیادہ مقلد مل گئے۔ سجاد حیدر کی رومانیت کی نیاز فتحپوری، مجنوں گورکھپوری، مہدی الافادی اور قاضی عبدالغفار کے بعد کوئی خاص تقلید نہ کی جا سکی۔ جبکہ پریم چند کی مقصدیت کا سدرشن، علی عباس حسینی، اعظم کریوی وغیرہ نے تتبع کیا اور بعد کے افسانہ نگاروں نے اس روایت کو مزید آگے بڑھایا۔ اسی لیے سمجھا جانے لگا

کہ پریم چند اردو افسانے کے موجد ہیں۔

پریم چند کی افسانہ نگاری میں بتدریج ارتقا نظر آتا ہے۔ان کے پہلے افسانوی مجموعے ''سوزِ وطن'' سے لے کر آخری دور کے مجموعوں ''واردات'' اور ''زادِراہ'' کے افسانوں میں بڑا واضح فرق محسوس ہوتا ہے۔ پہلے دور کے افسانوں میں رومانی تصورات نمایاں ہیں۔ دوسرے دور میں معاشرتی برائیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دی ہے اسی طرح سیاسی موضوعات بھی اس دور کی اہم خصوصیت ہے۔اپنے مختصر اور آخری دور میں پریم چند کے ہاں فنی عظمت اور موضوعات کا تنوع نظر آتا ہے۔اپنے آخری دور میں انہوں نے ناقابل فراموش افسانے لکھے۔

پہلے دور کے ابتدائی سالوں میں داستانوی اور رومانی رنگ غالب ہے۔ جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر پریم چند اپنا پہلا افسانوی مجموعہ ''سوزِ وطن'' کے نام سے 1909ء میں زمانہ پریس کانپور سے چھپواتے ہیں جو انگریز سرکار کو ''خطرہ کی گھنٹی'' محسوس ہوتا ہے اور اس کی تمام کاپیاں ضبط کر لی جاتی ہیں۔اس کے بعد وہ تاریخ اور اصلاح معاشرہ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔اس وقت تک وہ افسانوی تکنیک سے ناواقف تھے اور طلسم ہوشربا کے اسیر تھے۔1909ء سے 1920ء تک پریم چند ''ہوبا'' کے مقام پر ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز تھے۔جہاں کے کھنڈرانہیں ہندوؤں کی عظمتِ گذشتہ کی یاد دلاتے ہیں۔وہ سوچتے ہیں کہ حالی کی طرح انہیں بھی اپنے افسانوں کے ذریعہ ہندو قوم کی ماضی کی شان و شوکت اجاگر کرنا چاہیے۔چنانچہ انہوں نے 'رانی سارندھا، راجا ہردول اور آلھا جیسے افسانے اسی جذبے کے تحت لکھے گئے۔

پریم چند کے دل میں ہندو راجوں اور رانیوں کی حوصلہ مندی اور خاندانی روایات کی پاسداری کا بڑا احترام تھا۔''رانی سارندھا'' میں انہوں نے ہندو قوم کے ماضی کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ان سب افسانوں میں کسی نہ کسی تاریخی واقعہ کو دہرا کر ہندو قوم کو اسلاف کے کارنامے یاد دلانا مقصود ہے۔

ان تاریخی اور نیم تاریخی افسانوں کے بعد اپنے دوسرے دور میں پریم چند نے قومی اور معاشرتی اصلاح کی طرف توجہ دی،انہوں نے ہندو معاشرے کی قبیح رسوم پر قلم اٹھایا اور بیوہ عورت کے مسائل، بے جوڑ شادی، جہیز کی لعنت اور چھوت چھات جیسے موضوعات پر افسانے لکھے۔اس دور میں وہ ایک مصلح کی حیثیت سے اپنے معاشرے کو احترام انسانیت اور مشرقی و مغربی تہذیب کے فرق اور اخلاق اقدار کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

افسانہ نگاری کے دوسرے دور میں پریم چند نے دیہی زندگی کی طرف بھی توجہ دی کیونکہ پریم چند کا تعلق دیہات سے تھا اس لیے انہوں نے دیہاتی زندگی کے مسائل کو اپنے بیشتر افسانوں کا موضوع بنایا۔وہ دیہاتیوں کے مسائل سے بخوبی آگاہ تھے اس لیے کسانوں اور مزدوروں کے دکھوں کو اپنے نوکِ قلم سے معاشرے میں اجاگر کرتے ہیں۔''پوس کی رات''، ''سوا سیر گیہوں'' اور ان کے دیگر افسانے کسانوں کی غربت و افلاس کی عکاسی کرتے ہیں۔ پریم چند نے غریب کسان اور کاشتکار کے رہن سہن، اس کے افلاس اور دکھوں کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کی ہیں۔''سوا سیر گیہوں'' پریم چند کا ایک ایسا افسانہ ہے جو دیہاتی کسان کی سادہ لوحی کے ساتھ ساتھ زمیندار، مہاجن اور ساہوکار کی

فریب کاری کا پردہ چاک کرتا ہے اور اس کے ظلم وتشدد اور مکروفریب کے خلاف انسانی ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا پریم چند کے افسانوں کا آخری دور مختصر عرصے پر محیط ہے لیکن یہی دوران کی نظریات کی پختگی اور ترویج کا دور بھی ہے اس دور کے افسانوں کے موضوعات بھی سیاسی زندگی سے متعلق ہیں لیکن فن اور معیار کے اعتبار سے پچھلے دونوں ادوار کے مقابلے میں بہت بلند ہیں۔ ''سوزِ وطن'' کے افسانوں ک بعد پریم چند کے قلم سے حج اکبر، بوڑھی کا کی، دو بیل، دو بیل، نئی بیوی اور زادِ راہ جیسے افسانے تخلیق ہوئے اور پھر ان کا فن بتدریج ارتقائی منازل طے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ''کفن'' جیسا افسانہ لکھ کر انہوں نے دنیائے ادب میں اپنی فنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔ ''کفن'' کی کہانی دو چماروں کی کہانی ہے جو بے حیائی اور ڈھٹائی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ یہ ننگے بھوکے چمار اپنی کاہلی و سستی کی وجہ سے پورے گاؤں میں بدنام ہیں۔ بدھیا کے مرنے کے بعد اس کا شوہر مادھو اور اس کا سسر گھیسو اس کے کفن دفن کے لیے زمیندار سے پیسے مانگ کر لاتے ہیں اور پھر یہ سوچ کر کہ ''کفن تو لاش کے ساتھ جل جاتا ہے'' وہ پیسے شراب وکباب میں اڑا دیتے ہیں۔

اس حقیقت سے واقعی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ معیار و مقدار کے اعتبار سے پریم چند نے اردو ادب میں افسانے کی روایت کو مستحکم کیا اور انہوں نے ہی اردو افسانے کو ارتقائی منازل تک پہنچایا۔ مختصر اردو افسانے کے لیے ان کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ ہندوستانی ادب میں پریم چند کے بڑے احسانات ہیں انہوں نے ادب کو زندگی کا ترجمان بنایا۔ زندگی کو شہر کے تنگ گلی کوچوں میں نہیں بلکہ دیہات کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں جا کر دیکھا۔ انہوں نے بے زبانوں کو زبان دی۔ ان کی بولی میں بولنے کی کوشش کی۔